فراق یوسف

از میر انیس

# فراقِ یوسفؑ

میر ببر علی صاحب انیس مرحوم اگرچہ غزل گوئی پر بھی دستگاہِ تمام اور قدرت مالاکلام رکھتے تھے۔ لیکن اُنھوں نے (بوجہ اعتقادِ ائمہ عظام) زیادہ حصّہ عمرِ مانوس کا مرثیہ گوئی میں صرف کیا۔ مرثیہ لکھنا اُنکے قلمِ دریدہ دل پر ختم تھا۔ پڑھتے وقت عنانِ اثر اُنکی صدائے دلسوز کے ہاتھ میں ہوا کرتی۔ اُنکے توسنِ تخیّل کی دَوڑ بلاغت کے میدانِ بے پایاں میں گام گام تجاوز دکھاتی تھی۔ نظمِ ذیل میں اُنھوں نے آیہ کریمہ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ[1] کی طرف فکرِ رسا کو متوجہ کیا اور اسی کے ضمن میں باپ بیٹے کی مُفارقت اور اُسکی فطرتی نتیجہ کو قلمبند کرتے ہوئے کنوئیں کی گہرائی مطالبِ عمیق سے کنایتاً بتلادی اور نظم کی پُرحُسن اور لاجواب بندش کو مرثیہ کے رنگ میں ڈبو دیا جس سے دردمند دل رقت میں آکر پانی کی طرح بہ نکلا اور زخم خوردہ جگر پیراہنِ صبر کو پارہ پارہ کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کلام میں اثر کا ہونا بھی نعمائے الٰہی میں سے ہے۔ اور یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ جیسے مولانا نے سذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ (فضل الٰہی)

---

[1] یہ آیہ کریمہ قرآن کریم کے پ ۱۲ کی سورہ یوسف میں وارد ہے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ اور متفق ہوئے (بھائی یوسف کے) کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوئیں میں۔

نظم

یُوسُف کو عزیزوں نے چُھڑایا جو پدر سے
فُرقت ہوئی یعقوب کو اُس رَشکِ قمر سے
رنگِ رُخِ پُرنُور اُڑا دردِ جگر سے
دُنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دِل آب ہُوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کُوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب
بر میں دلِ مجروح طپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب
فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روتے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روتے

پیراہنِ یوسف کبھی آنکھوں سے لگاتے
کُرتے کی کبھی سُونگھ کے بُو اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
پوشاک یہ جس کی ہی اُسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سی بن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر

بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر

جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر

ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مرا دلبر

اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی

فرزند سے للہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے
ہر کام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے
گہ ضعف سے گرتے کبھی اُٹھتے کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے نہ اُس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سائے میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
اشکوں سے کبھی دشت کو دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے
دریا سے یہ کہکر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
اب اُسکی جُدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہر نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا
چلّاتے تھے اے لال! تو کس قبر میں سویا؟
یُوسف! تجھے کس چاہ میں بھائیوں نے ڈبویا
خود گُم ہُوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں سے کھویا
کُچھ تیرا پتا اے میرے مہرو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

کیا جانیئے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہے سایا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
آرام رہے جس میں کیونکر تجھے آیا؟
راحت بھی کوئی دم ہے کہ دکھ سہتے ہو بیٹا
جنگل ہے کہ بستی ہے کہاں رہتے ہو بیٹا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے
تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے
تو کونسی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے؟
حیرت ہی مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

للہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ

آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رلاؤ

اے لال! کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ

مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ

چہرے سے ردا کا بھی کو ہنا نہیں چھٹتا

جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا

برسوں جو اسی طرح سے ہے مضطر و دلگیر
طاقت تو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہوئے پیر
تھے فرق سے تا ناخنِ پا درد کی تصویر
اب جائیں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر
زور اپنا دکھایا کمرِ راست کے خم نے
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے

بیتُ الحُزن اور آپ ۔ نہ کھانا تھا نہ سونا
گر دن تھا تو رونا تھا جو تھی رات تو رونا
آہیں کبھی کرنا کبھی مُنہ اشکوں سے دھونا
اِک کُہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا

آرام نہ بے گریہ و زاری کوئی دَم تھا
رُخساروں پہ تھے زخم و آنکھوں پہ ورم تھا

اِفراطِ الم سے یہ جوانی میں ہوا حال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیرِ کہن سال
اِک طائرِ رُوح اور نہ کوں کا تھا فقط جال
کوئی نہ رہا ریشِ مُبارک میں سیہ بال
روئے یہ شب و روز جدائی میں پسر کی
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اُسی نُورِ نظر کی